اسلام اور ضبطِ ولادت

(۲)

مغربی تجربہ کے دو سبق اشاعت گذشتہ میں تحریک ضبط و لادت کی ترقی کے اسباب اور اس کے نتائج کا جو تفصیلی بیان پیش کیا گیا ہے اس کو بنظر غائر ملاحظہ کرنے سے دو اہم حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں:۔

ایک یہ کہ اہل مغرب میں ضبط ولادت کی خواہش پیدا ہونا، اور اس تحریک کا اس کثرت سے ان کے افراد میں رائج ہو جانا، کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی فطرت ہی توالد و تناسل سے پرہیز کا اقتضاء کرتی ہے، بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ دو صدیوں سے ان کے ہاں تمدن و تہذیب اور معیشت و معاشرت کا جو نظام رائج ہے، اُس نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جن میں وہ اولاد سے بچنے اور توالد و تناسل سے نفرت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اگر یہ حالات نہ ہوتے تو وہ اب بھی اُسی طرح ضبط ولادت سے بیگانہ رہتے جس طرح انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں تھے۔ کیونکہ ان کی جو فطرت اس زمانے میں اولاد کی محبت اور توالد و تناسل کی جانب رغبت کا اقتضاء کرتی تھی، وہی فطرت اب بھی موجود ہے۔ ۶۰ سال کے اندر اس میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ ضبط ولادت کے رواج سے مغربی قومیں جن خطرات و مشکلات میں گھر گئی ہیں، انھوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ضبط ولادت کی تحریک، قوانین فطرت میں جو ترمیم کرنا چاہتی ہے وہ انسان کے لیے سخت نقصان دہ ہے، اور درحقیقت فطرت کے قوانین لائق ترمیم نہیں ہیں بلکہ وہ نظام تمدن و تہذیب اور نظام معیشت و معاشرت بدل دینے کے لائق ہے جو انسان کو قوانین فطرت کی خلاف ورزی پر مجبور کر کے ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

اصول اسلام | مغربی تجربہ کے یہ دو سبق ہم کو اصول اسلام سے بہت قریب لے جاتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اور اس نے شخصی و اجتماعی طرز عمل کے لیے جتنے طریقے مقرر کیے ہیں وہ سب اس قاعدۂ کلیہ پر مبنی ہیں کہ انسان ان قوانین فطرت کی پیروی کرے جن پر کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے! اور کوئی ایسا طرز زندگی اختیار نہ کرے جو قوانین فطرت کی خلاف ورزی پر قائم ہو، یا ان کی خلاف ورزی پر اس کو مجبور کرتا ہو۔ قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی جبلت میں اس طریقہ کی تعلیم بھی ودیعت فرمادی ہے جس پر عمل کر کے وہ چیز نظام وجود میں اپنے حصہ کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتی ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ هَدٰی (۲۰: ۲)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئے کو اس کی خاص بناوٹ عطا کی پھر اس کو ان اغراض کے پورا کرنے کی راہ بھی بتادی جن کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے۔

کائنات کی تمام چیزیں بے چون و چرا اس ہدایت کی پیروی کر رہی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ان کے لیے جو راستہ مقرر فرمایا ہے اس سے ہٹنے کی ان میں قدرت ہی نہیں۔ البتہ انسان کو یہ قدرت دی گئی ہے کہ وہ اس راستہ سے ہٹ سکتا ہے، اس پر چلنے سے انکار کر سکتا ہے، اپنی عقل اور ذہانت سے کام لے کر اس کے خلاف دوسرے راستے نکال سکتا ہے، اور کوشش کر کے ان پر چل بھی سکتا ہے، لیکن وہ راستہ جسے انسان خدا کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر اپنی ہوائے نفس کے اتباع میں اختیار کرتا ہے، ٹیڑھا راستہ ہے، اور اس کی پیروی گمراہی ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ (۲۸: ۵)

اس سے زیادہ گمراہ اور کون ہوگا جس نے اپنی ہوائے نفس کی پیروی کی اور اللہ کی ہدایت کو چھوڑ دیا۔

یہ گمراہی ظاہر میں خواہ کتنی ہی مفید نظر آئے، لیکن درحقیقت جو انسان اللہ کے بتائے ہوئے

راستے کو چھوڑتا ہے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے کیونکہ انجام کار میں اس کی غلط کاری خود اسی کے لئے نقصان دہ اور موجب ہلاکت ثابت ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ اور جس کسی نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔ (۶۵: ۱)

قرآن کہتا ہے کہ خدا کی بناوٹ کو بدلنا اور ان قوانین فطرت کو توڑنا جنھیں اللہ تعالےٰ نے اس کائنات میں جاری کیا ہے، دراصل ایک شیطانی فعل ہے، اور شیطان ہی اس فعل کی تعلیم دیتا ہے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (۴: ۱۸) شیطان نے کہا کہ میں اولاد آدم کو حکم دونگا کہ اللہ کی بناوٹ کو بدل ڈالیں۔

اور شیطان کون ہے؟ وہ جو ازل سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ۔ (۲: ۲۱) اور تم شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تم کو بدی اور بے حیائی کے کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

پس اسلام نے جس قاعدے پر اپنے نظام تمدن و تہذیب اور نظام معیشت و معاشرت کی بنیاد رکھی ہے وہ یہ ہے کہ انسان انفرادی اور مجموعی حیثیت سے اپنی فطرت کے تمام مقتضیات کو ٹھیک ٹھیک قوانین فطرت کے مطابق پورا کرے اور اللہ کی دی ہوئی تمام قوتوں سے اس طریقہ پر کام لے جس کی ہدایت خود اللہ نے دی ہے۔ نہ کسی قوت کو معطل و بیکار بنائے نہ کسی قوت کے استعمال میں اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے انحراف کرے، اور نہ شیطانی تحریص و ترغیب سے گمراہ ہو کر اپنی فلاح و بہبود ان طریقوں میں تلاش کرے جو فطرت کی سیدھی راہ سے ہٹ کر نکلتے ہیں۔

تمدن اسلام میں ضبط ولادت کی گنجائش ہی نہیں اس قاعدے کو پیش نظر رکھکر جب آپ اسلام پر نگاہ ڈالیں گے

تو آپ دیکھیں گے کہ اسلامی نظام تمدن نے سرے سے ان اسباب و دواعی کا ہی استیصال کر دیا ہے جن کی وجہ سے انسان اپنی فطرت کے اس اہم اقتضاء یعنی توالد و تناسل سے پرہیز کرنے پر مجبور ہوتا ہے یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے برتھ کنٹرول کی ضرورت داعی نہیں ہوتی، نہ اس کی عین سرشت اس کا اقتضاء کرتی ہے۔ بلکہ ایک خاص طرز کا نظام تمدن جب کسی انسانی جماعت میں مخصوص قسم کے حالات پیدا کر دیتا ہے، تب انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی آسایش اور اپنی فلاح و بہبود کی خاطر اپنی آیندہ نسل کا سلسلہ منقطع کر دے، یا اس کو بڑی حد تک گھٹانے کی کوشش کرے۔ اس سے آپ خود یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر کوئی تمدن اس خاص طرز سے مختلف طرز پر قائم ہو، اور اس میں وہ مخصوص قسم کے حالات پیدا ہی نہ ہوں، تو سرے سے وہ مشکلات اور وہ دواعی وجود ہی میں نہ آئیں گے جو انسان کو اللہ کی بناوٹ کے بدلنے، اور اس کی حدود سے تجاوز کرنے، اور قوانین فطرت کے مقتضیات سے انحراف کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

اسلام کے نظام معاشی نے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی ہے وہ سود کو حرام کرتا ہے اجارہ داری کو روکتا ہے، جوے اور سٹے کو ناجائز قرار دیتا ہے، مال جمع کرنے سے منع کرتا ہے، اور زکوٰۃ و وراثت کے طریقے جاری کرتا ہے یہ احکام ان بہت سی خرابیوں کا استیصال کر دیتے ہیں جنہوں نے مغرب کی معاشی زندگی کو سرمایہ داروں کے سوا اور سب کے لیے ایک مستقل عذاب بنا دیا ہے۔

اسلام کے نظام معاشرت نے عورت کو وراثت کے حقوق دئے ہیں مرد کی کمائی میں اس کا حق مقرر کیا ہے۔ اور عورت کے دائرۂ عمل کو فطری حدود میں تقسیم کیا ہے، عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کو حجاب شرعی کے ذریعہ سے روک دیا ہے، اور اس طرح معیشت و معاشرت کی ان بہت سی خرابیوں کو دور کر دیا ہے جنکی وجہ سے عورت اپنے فطری فرض، افزائش نسل و تربیت اولاد سے انحراف کرنے پر آمادہ یا مجبور ہوتی ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات انسان کو سادہ اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کرنا سکھاتی ہیں وہ زناکاری اور شراب خواری کو حرام کرتا ہے۔ رقص و سرود سے (جو قوی ترین محرکات زنا میں سے ہے) روکتا ہے، بہت سے اُن تفریحی مشاغل اور عیش پسندانہ تفریحات کی راہ بند کرتا ہے جو انسان کو فضول خرچ بناتے ہیں۔ لباس، مکان اور آرائش و آسائش کے اسباب میں کفایت شعاری برتنے کی تاکید کرتا ہے، اور اس بد اخلاقی، اسراف اور حد سے بڑھی ہوی لذت پرستی کا استیصال کر دیتا ہے، جو مغربی ممالک میں برتھ کنٹرول کی ترویج کے اہم اسباب میں سے ہے اس کے ساتھ اسلام آپس کی ہمدردی اور امداد باہمی کی تعلیم دیتا ہے۔ صلۂ رحمی کی تاکید کرتا ہے ہمسایوں کی مدد، اور غریب و نادار ابنائے نوع پر انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیتا ہے، اور خود غرضی و نفس پرستی سے روکتا ہے۔ یہ سب چیزیں ایک طرف انسان میں منفرداً، اور دوسری طرف سوسائٹی میں مجتمعاً ایک ایسا اخلاقی ماحول پیدا کر دیتی ہیں جس میں ضبط ولادت کے داعیات پیدا ہی نہیں ہوتے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام نے خدا پرستی کی تعلیم دی ہے۔ وہ خدا پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے اور یہ حقیقت انسان کے ذہن نشین کر دیتا ہے کہ اس کا اور ہر جاندار کا اصلی رازق حق تعالیٰ ہے یہ چیز انسان میں وہ ذہنیت پیدا ہی نہیں ہونے دیتی جس سے وہ اپنی زندگی میں صرف اپنے ہی ذرائع اور اپنی ہی کوشش پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کے اجتماعی قوانین اور اس کی اخلاقی تعلیمات اور روحانی تربیت نے ان اسباب و دواعی میں سے ہر سبب اور ہر داعیہ کو مٹا دیا ہے جو مغربی تمدن و تہذیب میں ضبط ولادت کے لیے باعث تحریک ہوئے ہیں۔ اگر انسان ذہنی و عملی حیثیت سے ایک سچا مسلمان ہو تو نہ کبھی اس کے نفس میں ضبط ولادت کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے، اور نہ اس کی زندگی میں ایسے

حالات پیش آسکتے ہیں جو اس کو فطرت کے سیدھے راستے سے منحرف ہونے پر مجبور کر دیں۔

یہ تو مسئلہ کا سلبی (Negative) پہلو تھا۔ اب ہم کو ضبط ولادت کے متعلق اسلام کا فتویٰ ایجابی (Positive) پہلو سے دیکھنا چاہیے کہ ضبط ولادت کے متعلق اسلام کا فتویٰ کیا ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ تغییر خلق اللہ ایک شیطانی فعل ہے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔ (۴: ۱۱۸) اس آیت میں تغییر خلق اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس غرض کے لیے بنایا ہے، اُس کو اُس غرض اصلی سے پھیر کر کسی دوسری غرض کے لیے استعمال کیا جائے، یا اس طور پر اس سے کام لیا جائے کہ غرض اصلی اس سے فوت ہو جائے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عورت اور مرد کے زوجی تعلق میں "خلق اللہ" یعنی اس تعلق کی فطری غرض کیا ہے، اور ضبط ولادت سے تغییر خلق اللہ لازم آتی ہے یا نہیں۔ خود قرآن مجید اس سوال کے حل میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ عورت اور مرد کے زوجی تعلق کی دو غرضیں بتاتا ہے ایک یہ کہ :-

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ (۲: ۲۲۳)۔

تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں پس تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں جاؤ اور اپنے لیے آئندہ کا بندوبست کرو۔

اور دوسری یہ ہے کہ :-

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (۳۰: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی۔

پہلی آیت میں عورتوں کو "کھیتی" کہہ کر ایک حیاتی حقیقت (Biological fact) کا اظہار کیا گیا ہے حیاتیات (Biology) کے نقطہ نظر سے مرد کی حیثیت کاشتکار کی ہے اور عورت کی حیثیت کھیتی کی اور ان دونوں کے تعلق سے فطرت کی اولین غرض بقائے نوع ہے۔ اس غرض میں انسان اور حیوان اور نبات سب مشترک ہیں۔

دوسری آیت میں اس تعلق کی ایک اور غرض بھی بیان کی ہے، اور وہ قیام تمدن ہے جس کی بنیاد شوہر اور بیوی کے باہم مل کر رہنے سے پڑتی ہے۔ یہ غرض انسان کے لیے مخصوص ہے، اور انسان کی مخصوص بناوٹ ہی میں ایسے داعیات پیدا کر دیئے گئے ہیں جو اس کو اس غرض کے پورا کرنے کے لیے ابھارتے ہیں۔

خلق اللہ کی تشریح اللہ تعالی نے اس دنیا کے کارخانہ کو چلانے کے لیے منجملہ بہت سے انتظامات کے دو زبردست انتظام کیے ہیں۔ ایک تغذیہ۔ دوسرے تولید۔ تغذیہ کا مقصد یہ ہے کہ جو انواع اس وقت موجود ہیں وہ ایک مدت معینہ تک زندہ رہ کر اس کارخانہ کو چلاتی ہیں۔ اس کے لیے رب العالمین نے غذا کا وافر سامان مہیا کیا، اجسام نامیہ (Organic Bodies) میں غذا کو جذب کرنے اور اس کو اپنا جز بنانے کی قابلیت پیدا کی، اور ان میں غذا کی طرف ایک طبیعی خواہش پیدا کر دی جو ان کو غذا حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے اگر یہ نہ ہو تو تمام اجسام نامیہ (خواہ نباتات ہوں یا حیوانات یا انسان) ھلاک ہو جائیں اور اس کارخانہ عالم میں کوئی رونق باقی نہ رہے لیکن فطرت الٰہیہ کے نزدیک اشخاص و افراد کے بقا کی بہ نسبت انواع و اجناس کا بقا زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اشخاص کے لیے زندگی کی ایک بہت ہی قلیل مدت ہے، اور اس کارخانہ کو چلانے کے لیے ضروری ہے کہ اشخاص کے مرنے سے پہلے دوسرے اشخاص ان کی جگہ لینے کے لیے پیدا ہو جائیں۔ اس دوسری اعلی اور اشرف ضرورت کو پورا کرنے کے لیے فطرت نے تولید کا انتظام کیا ہے۔ انواع میں نر

اور مادہ کی تقسیم، نر و مادہ کے اجسام کی جداگانہ ساخت دونوں میں ایک دوسرے کی جانب میلان اور زوجی تعلق کے لیے دونوں میں ایک زبردست خواہش کا موجود ہونا، یہ سب کچھ اسی غرض کے لیے ہے کہ دونوں مل کر اپنی موت سے پہلے اپنے جیسے افراد اللہ تعالیٰ کے اس کارخانہ کو چلانے کے لیے پیدا کر دیں۔ اگر یہ غرض نہ ہوتی تو سرے سے نر و مادہ یا مرد و عورت کی علٰحدہ علٰحدہ صنف پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

پھر دیکھیے کہ جو انواع کثیر الاولاد ہوتی ہیں۔ ان میں فطرت نے اولاد کی محبت کا کوئی خاص جذبہ پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی اور حفاظت کریں۔ اس لیے کہ یہ انواع محض اپنی کثرت تناسل کے بل پر قائم رہتی ہیں۔ لیکن جن انواع کی اولاد کم ہوتی ہے ان میں اولاد کی محبت پیدا کی گئی ہے اور ماں باپ کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ایک کافی عرصہ تک اپنی اولاد کی نگرانی و حفاظت کریں یہاں تک کہ وہ خود اپنی حفاظت کے قابل ہو جائیں۔ اس معاملہ میں انسان کا بچہ سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اور زیادہ مدت تک ماں باپ کی نگرانی کا محتاج رہتا ہے۔ دوسری طرف انواع حیوانی میں شہوت کا جذبہ یا تو موسمی ہوتا ہے۔ یا جبلّی مطالبات کے تحت محدود ہوتا ہے لیکن انسان میں یہ جذبہ نہ تو موسمی ہے اور نہ جبلت نے اس کو محدود کیا ہے۔ اس لیے نوع انسانی میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے ساتھ دائمی تعلق رکھنے پر مجبور ہیں۔ یہی دونوں چیزیں انسان کو مدنی الطبع بناتی ہیں۔ یہیں سے گھر کی بنیاد پڑتی ہے اور گھر سے خاندان اور خاندان سے قبیلے بنتے ہیں۔ اور آخرکار اسی بنیاد پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

اس کے بعد انسانی ساخت پر غور کیجیے حیاتیات کے مطالعہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے جسم کی بناوٹ میں شخصی مفاد پر نوعی مفاد کو ترجیح دی گئی ہے اور انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی ذات سے زیادہ اس کی نوع کے مفاد کے لیے ہے۔ انسان کے جسم میں اس کے زوجی غدد (Sexual glands) سب سے زیادہ اہم خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ غدد سے

ایک طرف انسان کے جسم کو وہ مادہ حیات (Harmon) بہم پہنچاتے ہیں جو اس میں حسن و جمال، رونق و تازگی، ذہانت اور تیزی، توانائی اور قوت عمل پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہی غدے انسان میں تولید کی قوت پیدا کرتے ہیں، جو عورت اور مرد کو تناسل کے لیے باہم ملنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس وقت انسان نوعی خدمت کے لیے مستعد ہوتا ہے، وہی زمانہ اس کے شباب اور حسن اور عمل کا بھی ہوتا ہے اور جب وہ نوعی خدمت کے قابل نہیں رہتا تو وہی زمانہ اس کے بڑھاپے اور ضعف کا ہوتا ہے۔ زوجی فعلیت کا کمزور ہونا ہی دراصل آدمی کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اگر انسان کے جسم سے اس کے زوجی غدد نکال دیے جائیں تو جس طرح وہ نوعی خدمت کے قابل نہیں رہتا اسی طرح شخصی خدمت کے لیے بھی اس کی قابلیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان غدد کے بغیر اس کی دماغی اور جسمانی قوتیں نہایت کمزور ہوتی ہیں۔

عورت کے جسم میں نوعی مفاد کی خدمت کو مرد سے بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عورت کے جسم کی ساری مشین اسی لیے بنائی گئی ہے کہ وہ بقائے نوع کی خدمت انجام دے۔ وہ جب اپنے شباب کو پہنچتی ہے تو ایام ماہواری کا دور شروع ہو جاتا ہے جو ہر مہینے اس کو استقرار حمل کے لیے تیار کرتا رہتا ہے۔ پھر جب نطفہ قرار پاتا ہے تو اس کے پورے نظام جسمانی میں ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ بچے کا مفاد اس کے تمام جسم پر حکمرانی کرنے لگتا ہے۔ اس کی قوت کا صرف اتنا حصہ اس کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے جتنا اس کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے، باقی ساری قوت بچے کے نشوونما میں صرف ہوتی ہے۔ یہی چیز ہے جو عورت کی فطرت میں محبت قربانی اور ایثار (Altruism) پیدا کرتی ہے اور اسی لیے پدریت کا رابطہ اتنا گہرا نہیں جتنا مادریت کا رابطہ ہے۔ وضع حمل کے بعد عورت کے جسم میں ایک دوسرا انقلاب رونما ہوتا ہے۔ جو اسے رضاعت کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس زمانہ میں غدد رضاعت ماں کے خون سے بہترین اجزاء جذب کر کے بچے کے لیے دودھ مہیا کرتے ہیں، اور یہاں فطرت الٰہیہ پھر عورت کو نوعی مفاد کے لیے

قربانی پر مجبور کرتی ہے۔ رضاعت کے بعد عورت کا جسم از سر نو ایک دوسرے استقرار حمل کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک عورت اس نوعی خدمت کے لیے مستعد رہتی ہے۔ جہاں اس کی یہ استعداد ختم ہوئی اور اس کا قدم موت کی طرف بڑھا۔ سنِ یاس شروع ہوتے ہی اس کا حسن و جمال رخصت ہو جاتا ہے، اس کی شگفتگی، اس کی جولانی طبع، اس کی جاذبیت کافور ہو جاتی ہے، اور اس کے لیے جسمانی تکالیف، اور نفسانی افسردگی کے ایک ایسے دور کا آغاز ہوتا ہے جو صرف موت ہی کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے بہترین زمانہ وہ ہے جب وہ نوع کی خدمت کے لیے جیتی ہے، اور جب وہ صرف اپنے لیے جیتی ہے تو بری طرح جیتی ہے۔ [۱]

اس بحث سے قرآن مجید کے اس ارشاد کی حقیقت اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان زوجی تعلق پیدا کرنے سے فطرت کا اصل مقصد بقائے نوع ہے، اور اس کے ساتھ دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان عائلی زندگی (Domestic life) اختیار کر کے تمدن کی بنیاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے درمیان جو کشش رکھی ہے، اور ان دونوں کے زوجی تعلق میں جو لذت پیدا کی ہے، وہ صرف اس لیے ہے کہ انسان اپنی طبیعی رغبت سے ان مقاصد کو پورا کرے۔ مگر جو شخص محض اس لذت کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اور ان مقاصد کی خدمت بجا لانے سے انکار کرتا ہے، وہ یقیناً خلق اللہ کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ان اعضا اور ان قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے بقائے نوع کے لیے عطا کیے ہیں، انکی غرض اصلی کے خلاف محض اپنی نفسانی غرض کے لیے استعمال کرتا

[۱] اس موضوع پر ایک روسی مصنف (Anton Nemilov) نے ایک بہترین کتاب لکھی ہے جس کا نام (Biological Tragedy of Woman) ہے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع ہوا ہے۔

ہے۔ اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو محض زبان کی لذت حاصل کرنے کے لیے عمدہ عمدہ غذاؤں کے نوالے منہ میں چبائے مگر حلق کے نیچے اتارنے کے بجائے ان کو تھوک دے جس طرح ایسا شخص خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو زوجی تعلق سے محض لذت حاصل کرتا ہے، اور بقائے نسل کے مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتا، وہ نسل کشی کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ وہ فطرت کے ساتھ دغا بازی کر رہا ہے۔ فطرت نے اس فعل میں جو لذت رکھی ہے۔ وہ دراصل معاوضہ ہے اس خدمت کا جو وہ فطرت کے ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے بجالاتا ہے۔ لیکن یہ شخص معاوضہ تو پورا لے لیتا ہے، اور خدمت بجالانے سے انکار کر دیتا ہے۔ کیا یہ دغا بازی نہیں؟

<u>تغییر خلق اللہ کی سزا</u> آئیے اب ہم دیکھیں کہ جو شخص فطرت کے ساتھ یہ دغا بازی کرتا ہے، کیا فطرت اس کو سزا دیے بغیر چھوڑ دیتی ہے، یا اس کی کچھ سزا بھی دیتی ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ اس کی سزا ضرور دی جاتی ہے، اور وہ سزا یہ ہے کہ ایسا شخص خود ہی اپنے آپ کو نقصان اور ٹوٹے میں مبتلا کرتا ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ (۶:۱۴) وہ لوگ ٹوٹے میں پڑ گئے جنھوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے قتل کیا اور اس نعمت کو جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی اللہ پر افترا باندھ کر اپنے اوپر حرام کر لیا۔

اس آیت میں قتل اولاد کے ساتھ نعمت تناسل کو اپنے لیے حرام کر لینے (یعنی ضبط ولادت) کا نتیجہ بھی خسران بتایا گیا ہے[1]۔ دیکھنا چاہیے کہ یہ خسران کن کن صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

[1] قدیم مفسرین نے حرموا ما رزقھم اللہ سے مراد صرف حلال غذاؤں کی تحریم ہی لی ہے اس لیے کہ ان کے زمانے میں ضبط ولادت کی تحریک کوئی وجود ہی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کا علم ان تمام چیزوں پر حاوی ہے جو ہو چکی ہیں اور ہونے والی ہیں، ایسے وسیع الفاظ استعمال کیے ہیں جو صرف حلال غذاؤں کی تحریم ہی کو نہیں بلکہ ہر اس نعمت کی تحریم کو شامل ہیں جو اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ اور چونکہ یہاں قتل اولاد کے بعد ہی تحریم رزق کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگ ٹوٹے میں ہیں جو اولاد کو پیدا ہونے کے بعد قتل کر دیتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی ٹوٹے میں ہیں جو اولاد کی پیدائش ہی کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔

جسم و نفس کا نقصان | توالد و تناسل کا معاملہ چونکہ براہ راست انسان کے جسم اور نفس سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے ہم کو سب سے پہلے ضبط ولادت کے ان اثرات کی تحقیق کرنی چاہیے جو انسان کے نفس اور جسم پر مترتب ہوتے ہیں۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انواع میں نر و مادہ کی دو الگ الگ صنفیں بنانے سے فطرت کا اصل مقصد ہی توالد و تناسل اور بقائے انواع ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نر و مادہ کی عین فطرت اس کا اقتضاء کرتی ہے کہ وہ اولاد پیدا کریں، اور خصوصاً نوع انسانی میں عورت کے اندر طبعاً اولاد کی خواہش اور محبت کا ایک زبردست داعیہ پیدا کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے جسم میں اس کے زوجی غدد کا کتنا قوی اور گہرا اثر ہے، اور کس طرح یہ غدے انسان کو نوع کی خدمت پر ابھارنے اور اس میں حسن، توانائی، عملی سرگرمی اور ذہنی قوت پیدا کرنے کے دوہرے فرائض انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً عورت کے متعلق آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے جسم کی پوری مشین ہی خدمت بقائے نوع کے لیے مناسب بنائی گئی ہے، اور اس کی تخلیق کا اہم ترین مقصد یہی ہے، اور اس لیے اس کی عین فطرت اس سے اس خدمت کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان سب امور کو پیش نظر رکھ کر آپ کی عقل خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہے کہ جب انسان، زوجی تعلق سے محض لذت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اور اس مقصد کو پورا کرنے سے انکار کر دیگا جس کی طلب اس کے جسم کے ریشہ ریشہ میں اس قدر گہرائی کے ساتھ پیوست کر دی گئی ہے، تو ممکن نہیں کہ اس کے نظام عصبی اور اس کے زوجی غدد کی فعلیت پر اس کے بُرے اثرات مترتب نہ ہوں، اور ان اثرات سے اس کا نفس محفوظ رہ سکے۔

تجربہ اس عقلی نتیجہ کی تائید کرتا ہے ۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں برطانیہ عظمیٰ کے نیشنل برتھ ریٹ کمیشن نے ضبط ولادت کے مسئلہ پر طبی نقطۂ نظر سے جو رپوٹ شائع کی تھی اس میں لکھا ہے:۔

مانع حمل وسائل کے استعمال سے مردوں کے نظام جسمانی میں بری پیدا ہو سکتی ہے

عارضی طور پر ان میں مردانہ کمزوری یا نامردی بھی پیدا ہو سکتی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ ان وسائل کا کوئی زیادہ برا اثر مرد کی صحت پر نہیں پڑتا البتہ اس بات کا ہمیشہ خطرہ ہے کہ مانع حمل وسائل کے استعمال سے جب مرد کو زوجی تعلق میں اپنی خواہشات کی پوری تسکین حاصل نہ ہو گی تو اس کی عائلی زندگی کی مسرتیں غارت ہو جائیں گی۔ اور وہ دوسرے ذرائع سے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کریگا جو اس کی صحت کو برباد کر دیں گے اور ممکن ہے کہ اسے امراض خبیثہ میں مبتلا کر دیں۔"

عورتوں کے متعلق کمیشن نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:۔

"جہاں طبی لحاظ سے منع حمل ناگزیر ہو، یا جہاں بچوں کی پیدائش حد سے زیادہ ہو، وہاں تو منع حمل کی تدابیر عورت کی صحت پر بلاشبہ اچھا اثر ڈالتی ہیں۔ لیکن جہاں ان میں سے کوئی ضرورت داعی نہ ہو، وہاں منع حمل کی تدابیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کے نظام عصبی میں سخت برہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں بدمزاجی اور چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے جب اس کے جذبات کی تسکین نہیں ہوتی تو شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں خصوصیت کے ساتھ یہ نتائج ان لوگوں میں زیادہ نمایاں دیکھے گئے ہیں جو عزل (Ccitus - Interuptus) کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر میری شارلیب (Marysharlieb) اپنے چہل سالہ تجربات کے نتائج ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

"ضبط ولادت کے طریقے خواہ وہ فرزجے (Pessaries) ہوں یا

جراثیم کش دوائیں، ربر کی ٹوپیاں اور لفافے یا دوسرے طریقے، بہرحال ان کے استعمال سے کوئی فوری نمایاں نقصان تو نہیں ہوتا لیکن ایک عرصہ تک ان کو استعمال کرتے رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھیڑ عمر تک پہنچتے پہنچتے عورت میں عصبی ناہمواری (Nervous instability) پیدا ہو جاتی ہے پژمردگی، شگفتگی کا فقدان افسردہ دلی، طبیعت کا چڑچڑاپن اور اشتعال پذیری غمگین خیالات کا ہجوم، بے خوابی، پریشان خیالی، دل و دماغ کی کمزوری، دوران خون کی کمی، ہاتھ پاؤں کا سُن ہو جانا، جسم میں کہیں کہیں ٹیسیں اُٹھنا، ایام ماہواری کی بے قاعدگی، یہ ان طریقوں کے لازمی اثرات ہیں۔"

بعض دوسرے ڈاکٹروں نے بیان کیا ہے کہ اخراج رحم Falling of the Womb سیلان کی خرابی اور بسا اوقات مراق، خفقان اور جنون جیسے عوارض بھی ان طریقوں کے استعمال سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ زیادہ عرصہ تک جس عورت کے ہاں بچہ نہیں ہوتا اس کے اعضاء تناسل میں ایسے تغیرات واقع ہوتے ہیں جن سے اس کی قابلیت تولید (Fertility) متاثر ہو جاتی ہے اور اگر کبھی وہ حاملہ ہو تو اس کو زمانہ حمل اور وضع حمل میں سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔[1]

پروفیسر لیونارڈ ہل ایم بی اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:-

"بلوغ کے وقت عورت کے جسم میں جتنے تغیرات ہوتے ہیں سب تناسل کے مقصد ہی کیلئے ہوتے ہیں۔ ایام ماہواری کے دورے اسی غرض کے لیے

[1] ڈاکٹر آرنلڈ لوراند (Lurand) نے اپنی کتاب Life Shortening habits and Rejuvination میں تدابیر مانع حمل کے مضر اثرات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

یہ کتاب ۱۹۲۲ء میں فلیڈلفیا سے شائع ہوئی ہے۔

ہوتے ہیں کہ بار بار عورت کو استقرار حمل کے لیے تیار کریں۔ ایک ناکتخدا عورت یا ایسی عورت میں جو اپنے آپ کو استقرار حمل سے روکتی ہے، ایام کا ہر دورہ ان تمام اعضاء کی ناامیدی کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ جو اس دورہ میں حمل کے لیے تیار کیے گئے تھے اس اقتضائے طبعی کے پورا نہ ہونے اور تناسلی اعضا کے معطل رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تناسلی اعضاء کی فعلیت میں برہمی و بدنظمی پیدا ہو۔ ایام ماہواری تکلیف اور بے قاعدگی کے ساتھ آئیں، چھاتیاں ڈھلک جائیں، چہرے کی رونق اور خوبصورتی رخصت ہو جائے اور مزاج میں اشتعال پذیری یا افسردگی پیدا ہو جائے۔"

"یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی زندگی میں اس کے زوجی غدد کا بڑا اثر ہے۔ جو غدے زوجی قوت پیدا کرتے ہیں، وہی انسان میں توانائی، حسن اور چستی بھی پیدا کرتے ہیں انہی سے انسان میں کیرکٹر کی بہت سی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔ زمانۂ بلوغ کے قریب جب ان غدوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے، تو جس طرح انسان میں تناسل کی استعداد پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس میں خوبصورتی، شگفتگی، ذہنی قوت جسمانی طاقت، جولانی اور عملی سرگرمی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان غدوں کے فطری مقصد کو پورا نہ کیا جائیگا تو یہ اپنے ضمنی فعل یعنی تقویت کو بھی چھوڑ دیں گے خصوصاً عورت کو استقرار حمل سے روکنا دراصل اس کی پوری مشین کو معطل اور بے مقصد بنانا ہے۔"

ان مضرتوں کے علاوہ ایک بڑی مضرت یہ بھی ہے کہ ضبط ولادت کے طریقے استعمال کرکے جب استقرار حمل کی طرف سے بے فکری ہو جاتی ہے تو شہوانی جذبات قابو میں نہیں رہتے۔ عورت پر مرد کے

شہوانی مطالبات، حد اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں، اور زوجین کے درمیان ایک خالص بہیمی تعلق باقی رہ جاتا ہے جس میں تمام تر شہوانی میلانات ہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ چیز صحت اور اخلاق دونوں کے لیے غایت درجہ نقصان دہ ہے۔ فورسٹر (Foerster) لکھتا ہے:-

> "مرد کی زوجیت کا رخ اگر کلیۃً خواہشات نفس کی بندگی کی طرف پھر جائے اور اس کو قابو میں رکھنے کے لیے کوئی قوت ضابطہ نہ رہے تو اس سے جو حالت پیدا ہوگی وہ اپنی نجاست و دنائت اور زہریلے نتائج میں ہر اس نقصان سے کہیں زیادہ ہوگی جو بے حد و حساب بچے پیدا کرنے سے رونما ہو سکتی ہے۔

معاشرتی نقصان عائلی زندگی میں ضبط ولادت کے جو مضر اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف اوپر ضمناً اشارہ کیا جا چکا ہے۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات پر اس کا پہلا اور فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ جب دونوں کے داعیات فطرت کی تکمیل نہیں ہوتی تو ایک غیر محسوس طریقہ پر دونوں میں ایک طرح کی اجنبیت پیدا ہونے لگتی ہے، جو بعد میں مودت و رحمت کی کمی، سرد مہری اور آخر کار نفرت و بیزاری تک پہنچ جاتی ہے۔ خصوصاً عورت میں ان طریقوں کی مداومت سے جو عصبی ہیجان اور چڑچڑا پن پیدا ہوتا ہے وہ خانگی زندگی کی ساری مسرتوں کو غارت کر دیتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ ایک اور بڑا نقصان بھی ہے۔ جو مادی اسباب سے زیادہ روحانی اسباب کی بدولت رونما ہوتا ہے جسمانی حیثیت سے عورت اور مرد کا تعلق محض ایک بہیمی تعلق ہے، جیسا جانوروں میں ہوتا ہے۔ مگر جو چیز اس تعلق کو ایک اعلیٰ درجہ کا روحانی تعلق بناتی ہے، اور اس کو مودت و رحمت کے ایک گہرے رابطہ میں تبدیل کر دیتی ہے وہ اولاد کی تربیت میں دونوں کی شرکت اور امداد باہمی ہے۔ ضبط ولادت اس مضبوط روحانی رابطہ کو وجود میں آنے سے روکتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی گہرا اور مستحکم تعلق پیدا نہیں ہوتا، اور

ان کے تعلقات بہیمیت کے درجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتے بہیمیت کے تعلق میں ہر مرد و عورت کے لیے ہر مرد و عورت یکساں ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ایک جوڑہ ہمیشہ کے لیے ایک، دوسرے کا ہو کر رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں زوجی تعلقات نہایت ضعیف ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ضبط ولادت کی تحریک کے ساتھ ساتھ طلاق کا رواج اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے کہ درحقیقت وہاں عائلی زندگی (Domestic life) کا سارا نظم درہم برہم ہوتا نظر آتا ہے۔

اخلاقی نقصان | اخلاق پر ضبط ولادت کے مضر اثرات متعدد وجوہ سے رونما ہوتے ہیں:۔

(۱) ۔عورت اور مرد کو زنا کا لائسنس مل جاتا ہے ۔حرامی اولاد کی پیدائش سے بیرت یہ بدنامی و ذلت کا بدنما داغ لگ جانے کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ اس لیے ناجائز تعلقات پیدا کرنے میں دونوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

۲۔ لذت پرستی اور بندگی نفس حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور اس سے ایک عام اخلاقی انحطاط وبائی مرض کی طرح پھیل جاتا ہے۔

(۳) جن زوجین کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، ان میں بہت سے وہ اخلاقی خصائص پیدا ہی نہیں ہوتے جو صرف تربیت اطفال ہی سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ماں باپ بچوں کی تربیت کرتے ہیں، اسی طرح بچے بھی ماں باپ کی تربیت کرتے ہیں بچوں کی پرورش سے ماں باپ میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ عاقبت اندیشی اور کفایت شعاری کا سبق سیکھتے ہیں، سادہ معاشرت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور محض اپنی ذاتی آسائش کے پیچھے اندھے نہیں ہوسکتے ضبط ولادت ان تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ توالد و تناسل کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ اپنی صفت تخلیق و ربوبیت کا ایک حصہ انسان کو عطا کرتا ہے اور اس طرح یہ انسان کے لیے تخلق باخلاق اللہ ہونے کا ایک بڑا وسیلہ ہے ضبط ولادت پر عمل کرنے سے انسان اس بڑی نعمت کو کھو دیتا ہے۔

(۴) ضبط ولادت سے بچوں کی اخلاقی تربیت نامکمل رہ جاتی ہے جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائی بہنوں کے ساتھ رہنے، بسنے، کھیلنے، کودنے اور معاملت کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلیٰ اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔ بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر رلمفاری، محبت، ایثار، اتحاد باہمی اور ایسے ہی بہت سے اوصاف پیدا کرتا ہے، اور وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرکے خود ہی اپنے بہت سے اخلاقی عیوب کو دور کر لیتے ہیں۔ جو لوگ ضبط ولادت پر عمل کرکے اپنی اولاد کو صرف ایک بچے تک محدود کر لیتے ہیں، یا دو بچے اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے، وہ دراصل اپنی اولاد کو ایک بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

نسلی و قومی نقصانات یہ تو وہ نقصانات تھے جو محض افراد کو ان کی انفرادی حیثیت میں اٹھانے پڑتے ہیں اب دیکھیے کہ اس تحریک کے رواج عام سے نسلوں اور قوموں کو بحیثیت مجموعی کس قدر شدید نقصان پہنچتا ہے۔

قحط الرجال تخلیق انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو زبردست انتظام کیا ہے، اس میں خود انسان کا حصہ صرف اس قدر ہے کہ مرد اپنا نطفہ عورت کے جسم میں پہونچا دے۔ اس کے بعد کوئی چیز انسان کے اختیار میں نہیں ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اور اس کے ارادے پر منحصر ہے۔ ہر مرتبہ جب مرد عورت سے ملتا ہے تو مرد کے جسم سے کروروں جراثیم حیات عورت کے جسم میں داخل ہوتے ہیں، اور عورت کے جسم سے لاکھوں بیضی خلایا (Fgg-Cells) نکل کر ان جراثیم سے ملنے کے لیے بڑھتے ہیں۔ ان جراثیم اور ان خلایا میں سے ہر ایک جداگانہ نسلی اور شخصی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے انہی میں بہادر اور منفعلین بھی ہوتے ہیں، اور عقلا و حکماء بھی۔ ان میں ارسطو اور ابن سینا بھی ہوتے ہیں، چنگیز اور نپولین بھی ہوتے ہیں، شکسپیر اور حافظ بھی ہوتے ہیں، میر جعفر اور میر صادق بھی ہوتے ہیں۔

یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ کسی خصوصیت کے جرثومہ کو کسی ایک خصوصیت رکھنے والے مخصوص خلیہ سے ملا کر اپنے انتخاب سے ایک خاص قسم کا انسان پیدا کر دے۔ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کام کرتا ہے اور وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس وقت کس قوم میں کس قسم کے آدمی بھیجے۔ انسان جو اپنے عمل کے نتائج سے بالکل بے خبر ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے اس انتظام میں دخل دیگا تو اس کی مثال ایسی ہو گی جیسے کوئی شخص اندھیرے میں لکڑی گھمائے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کی لکڑی کسی سانپ یا بچھو کو مارے گی یا کسی انسان کا سر پھوڑے گی، یا کسی قیمتی شے کو توڑ پھینکے گی۔ بہت ممکن ہے کہ ضبط ولادت پر عمل کرنے والا انسان اپنی قوم میں ایک بہترین جنرل یا مدبر یا حکیم کی پیدائش کو روک دینے کا سبب بن جائے، اور اپنی حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کے فعل میں دخل دینے کی سزا اس کو اس صورت میں ملے کہ اس کی نسل میں احمق یا بے ایمان اور غدار پیدا ہوں۔ خصوصاً جس قوم میں یہ مداخلت عام ہو جائے وہ تو بالیقین اپنے آپ کو قحط الرجال کے خطرے میں مبتلا کرتی ہے۔

شخصی اغراض پر قوم کی قربانی ضبط ولادت کی عام تحریک میں ہر شخص اپنے ذاتی حالات اور خواہشات وضروریات پر نظر رکھکر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ کتنی اولاد پیدا کرے، بلکہ سرے سے پیدا کرے بھی یا نہیں۔ اس فیصلہ میں اس کے پیش نظر یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ قوم کو اپنی آبادی برقرار رکھنے کے لیے کم از کم کتنے بچوں کی ضرورت ہے۔ اشخاص نہ اس کا کوئی صحیح اندازہ کر سکتے ہیں، اور نہ شخصی ضروریات کے سامنے وہ قومی ضرورت کا لحاظ کرنے پر قادر ہیں۔ اس طرح اولاد کی پیدائش سراسر افراد قوم کی خود غرضی پر منحصر ہو جاتی ہے اور شرح پیدائش اس طور پر گھٹتی چلی جاتی ہے کہ اس کو کسی حد پر روکنا قوم کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر افراد میں خود غرضی بڑھتی رہے اور وہ خراب حالات جو ان کو ضبط ولادت پر ابھارتے ہیں خراب تر ہوتے رہیں تو یقیناً ایسے افراد اپنی اغراض پر قوم کی زندگی کو قربان کر دینگے حتی کہ ایک روز قوم کا خاتمہ ہی ہو جائے گا۔

قومی خودکشی ضبط ولادت کی عام تحریک سے جس قوم کی آبادی گھٹنے لگتی ہے وہ ہر وقت تباہی کے سر پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی عام وبا پھیل جائے، یا کوئی بڑی جنگ چھڑ جائے جس میں کثرت سے آدمی مرنے لگیں، تو ایسی قوم میں دفعتہً آدمیوں کا کال رونما ہو جائے گا اور وہ کسی ذریعہ سے بھی اتنے آدمی فراہم نہ کر سکے گی جو مرنے والوں کی جگہ لے سکیں۔ یہی چیز اب سے دو ہزار سال پہلے یونان کو تباہ کر چکی ہے۔ یونانیوں میں اسقاط حمل اور قتل اولاد کا رواج پڑ گیا تھا جس سے آبادی گھٹتی چلی جا رہی تھی۔ اسی زمانہ میں خانہ جنگیاں برپا ہوئیں جنھوں نے قوم کے بکثرت افراد کو ہلاک کر دیا۔ اس دوہرے نقصان نے یونانی قوم کا ایسا زور توڑا کہ پھر وہ نہ سنبھل سکی اور آخرکار اپنے گھر میں دوسروں کی غلام بن کر رہی۔ ٹھیک ٹھیک اسی خطرہ میں مغربی ممالک اپنے آپ کو مبتلا کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا ہی یہ ہو کہ ان سے خودکشی کرائے۔ مگر ہم کیوں ان کی اندھی تقلید کر کے اپنی شامت کو اپنے ہاتھوں دعوت دیں؟

معاشی نقصان تجربہ اور تحقیق سے یہ خیال غلط ثابت ہو چکا ہے کہ ضبط ولادت معاشی حیثیت سے مفید ہے۔ اب معاشیات کے ماہرین میں یہ خیال روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے کہ آبادی کی تقلیل معاشی انحطاط (Economic depression) کے نہایت قوی اسباب میں سے ہے، اس لیے کہ شرح پیدائش کے گھٹنے سے پیداآور آبادی (Producing Population) کے مقابلہ میں خرچ کرنے والی آبادی (Consuming Population) کم ہو جاتی ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پیداآور آبادی میں بیکاری بڑھتی چلی جائے۔ پیداآور آبادی صرف جوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ برعکس اس کے خرچ کرنے والی آبادی میں بوڑھے، بچے، معذور بھی شامل ہوتے ہیں جن کا پیداآوری میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اگر ان کی تعداد گھٹ جائے تو مجموعی طور پر خرچ کرنے والوں میں بھی کمی واقع ہو گی۔ مال کے خریدار کم ہو جائیں گے۔

اسی نسبت سے مال طیار کرنے والوں کو کام کم ملے گا۔ اسی وجہ سے جرمنی اور اٹلی کے ماہرین معاشیات خاص طور پر توفیر آبادی کے لیے زور دے رہے ہیں۔

ضبط ولادت کے نقصانات کی یہ تفصیل جو سراسر حقائق پر مشتمل ہے، اس آیت پاک کی ایک جزئی تفسیر ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "وہ لوگ ٹوٹے میں پڑ گئے جنھوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے ہلاک کر دیا اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو حرام کر لیا"۔ نیز اس سے اس آیت کا مفہوم بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ۔

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (۲:۲۵)

اور جب وہ پلٹا تو اس نے زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرنے کی تدبیریں کیں۔

مباحث مذکورہ بالا کو پیش نظر رکھ کر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حرث اور نسل کی بربادی کو فساد فی الارض سے کیوں تعبیر فرمایا ہے پھر اس بحث سے آپ اس آیت کا مفہوم بھی خوب سمجھ سکتے ہیں جس میں ارشاد ہوا ہے کہ۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا۔ (۱۷:۴)۔

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ان کو رزق دینے والے بھی ہم ہی ہیں، اور تم کو بھی انہیں قتل کرنا ایک بڑی خطا ہے۔

یہ آیت صاف تبلا رہی ہے کہ معاشی مشکلات کے خوف سے اولاد کی تعداد گھٹانا محض ایک حماقت ہے

اس کے بعد ہم کو ان دلائل سے بحث کرنی ہے جو ضبط ولادت کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی ضمن میں ہم اُن احادیث کی صحیح تفسیر بھی بیان کریں گے جن سے ضبط ولادت کی موافقت میں استدلال کیا جا سکتا ہے۔ (باقی)